ابوالحسن علی ندوی بحیثیت مصلح وداعی اسلام

☆ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

اسلام اپنے معاصر مذاہب باطلہ میں ایک اہم اور منفرد خصوصیت کا حامل ہے جسے تبلیغ یا دعوت دینا کہا جاتا ہے۔تبلیغ اسلام کا بنیادی فریضہ ہے۔ نبی تبلیغ دین کے لیے مامور کیے گئے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:'' یایھا الرسول بَلِّغْ مَااُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (اے پیغمبر جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچادو)(۱)۔دعوت الی اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے، چنانچہ آپ کو حکم الٰہی ہوا:

قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْ اَدْعُوْا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَاوَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (اے نبیؐ فرمادیجئے میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں خودبھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میری اتباع کرنے والابھی)(۲)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ امت کے لیے بہترین نمونہ ہے:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (۳)(یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے)

دعوت وتبلیغ کے میدان میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی نمونہ ہے۔ جب ہم آپؐ کی حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ دعوت وتبلیغ کے پہلو سے کرتے ہیں تو آپ کی مساعی جمیلہ درج ذیل خصائص سے عبارت نظر آتی ہے:

۱۔دعوت بالحکمۃ

۲۔قول بلیغ

۳۔رقت ونرمی گفتاروانداز

☆ ڈائریکٹر سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

۴۔غور وفکر اور عقل وشعور کی دعوت

۵۔عزم واستقلال

۶۔قول وعمل میں یکسانیت

اسلام میں دعوت وتبلیغ کا فریضہ:

یہ فریضہ صرف آپؐ کے لیے ہی مختص نہیں کیا گیا، بلکہ اُسے عام فرمایا ہے۔ جملہ اہلِ اسلام دعوت وتبلیغ اسلام کے مکلّف ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: **وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ** (اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے) (۴)۔ مزید ارشاد فرمایا: **اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ** (تم اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ۔) (۵)۔

دعوت وتبلیغ کے فریضہ کی اہمیت قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے: **وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ** (اور ان میں ہم نے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے، جب وہ صبر کرتے تھے اور ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے) (۶)۔

قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ہی زندگی سے تعبیر فرمایا: **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ** (اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دو جب وہ تمہیں پکارتا ہے، تاکہ وہ تم کو روحانی موت کی حالت سے نکال کر زندہ کر دے) (۷)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دین کا فریضہ کما حقہ سرانجام دیا اور آپ نے خطبہ حجۃ الوداع ۱۰ ہجری کے مجمع عام میں پوچھا: **انتم تسئلون عنی فما انتم قائلون؟** (تم سے اللہ کے ہاں میرے متعلق پوچھا جائے گا تم کیا جواب دو گے؟) (۸)۔

صحابہ کرامؓ نے بیک زبان عرض کیا کہ ہم یہ کہیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔ آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا: **اللّٰھم اشھد** (اے اللہ گواہ رہنا) (۹)۔

مذکورہ آیات مبارکہ اور احادیث مطہرہ سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ تبلیغ دین اور دعوت الی

اللہ ہر کلمہ گو کا فریضہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام ان کے تلامذہ اور آئمہ اسلام نے بالخصوص تبلیغ اسلام کا فریضہ کمال جانفشانی سے ادا کیا، بلکہ عام مسلمان بھی حسبِ توفیق اس فرض کو ادا کرنے کی سعی کرتے رہے۔ حالانکہ علماء اسلام کا مؤقف یہ ہے کہ تبلیغ اسلام فرضِ کفایہ ہے۔ تبلیغ سے کتنے ہی لوگوں کی زندگیاں تبدیل ہوئیں۔ ان مبلغین اسلام میں بہت سے لوگ معروف ہوے۔ موجودہ دور میں بھی دعوت الی اللہ کا فریضہ حکومتی سرپرستی، دینی انجمنوں، مدارس اور انفرادی سطح پر ادا ہو رہا ہے۔ ہم اپنے اس مقالے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی داعیانہ کوششوں کا احاطہ کریں گے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بن عبدالحئ المعروف علی میاں عالم اسلام کے نامور ادیب، مبلغ اور داعی ہیں۔ آپ اپنے عہد کے مفکر اسلام بھی ہیں۔ مولانا کا نسب حضرت علیؓ بن ابی طالب سے ملتا ہے (۱۰)۔ مولانا ۶ محرم ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء کو صوابہ اتر پردیش کے ضلع رائے بریلی کے ایک گاؤں تکیہ کلاں میں پیدا ہوئے (۱۱)۔

مولانا سید ابوالحسن ندوی جس گھرانے کے چشم و چراغ ہیں وہ صدیوں سے اب تک غیر منقطع طور پر مذہب و اخلاق، رشد وہدایت، تصنیف وتالیف اور زبان وادب کا گہوارہ رہا ہے (۱۲)۔ مولانا نے اپنے خاندانی شعار کی بنا پر اپنے وقت کے نابغہ روزگار علماء کے حضور زانوئے تلمذ تہ کیا۔ آپ نے اپنی ساری متاعِ حیات تبلیغ اسلام اور دعوتِ دین کی راہ میں وقف کر دی۔ آپ کے کارِ حیات اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ صحیح معنوں میں دینِ اسلام کے داعی تھے۔ آپ کی تصانیف، درس وتدریس، سفر وحضر سب کا ایک ہی مشن تھا کہ اسلام کی دعوت کو عام کیا جائے۔ قدیم وجدید دور میں مولانا کے داعیانہ کردار میں درج ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں:

۱۔ علم
۲۔ تحمل و بردباری
۳۔ عمل
۴۔ خلوص
۵۔ ایثار وقربانی

۶۔جدید معاشرتی مسائل کا ادراک وتدارک

۷۔وعظ ونصیحت

۸۔تصنیف وتالیف

۹۔جہاد فی سبیل اللہ کا احیاء

۱۰۔کورانہ تقلید سے بیزاری

۱۱۔سامعین کی ذہنی استعداد کے مطابق گفتگو۔

۱۲۔جدید علمی رجحانات کا ادراک

۱۳۔تعلیم وتربیت

۱۴۔دعوتی سفر

۱۵۔مغربی نظامِ تعلیم کا نفاذ

۱۶۔مغربی تہذیب پر تنقید

۱۷۔وسیع مطالعہ

۱۸۔معاصر ادیان میں وسعت نظری۔

۱۹۔بصیرت

۲۰۔ردبدعات

ا۔علم

علم ہی وہ بنیادی خصوصیت ہے جس کی بنا پر انسان مسجود ملائک بنا۔انبیائے کرام اپنے اپنے دور کے داعی اعظم ہوتے ہیں اور وہ علم میں سب سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔مولانا علی میاں نے علم تفسیر مولانا احمد علی لاہوری سے حاصل کیا(۱۳)۔علم حدیث میں ان کے شیخ مولانا حسین احمد مدنی ہیں(۱۴)،ان کے علاوہ موصوف نے حیدرحسن خاں ٹونکی سے بھی صحیحین،سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی سبقاً سبقاً پڑھیں۔علاوہ ازیں انہیں سے بیضاوی شریف اور علم المنطق کے اسباق بھی لیے(۱۵)۔

عربی ادب کی تعلیم آپ نے جامعہ لکھنؤ سے حاصل کی(۱۶)۔موصوف کی عمرِ مبارک

صرف بیس سال ہی تھی کہ آپ ندوۃ العلماء میں استاذ مقرر ہوئے (۱۷)، گویا آپ نے تعلیم حاصل کر کے پھر تدریس کا ذمہ اٹھایا۔ مذکورہ بالا حقائق سے مترشح ہوتا ہے کہ موصوف نے اسلام کی تعلیم بڑے بڑے اہلِ علماء سے حاصل کی تھی۔ اس تعلیم ہی کا ثمر ہے کہ آپ نے ساری حیات مستعار کو دینِ اسلام کی تبلیغ کے لیے وقف کر دیا۔

۲۔تحمل بردباری

تحمل و بردباری ایک عالم اور داعی الی اللہ کے لیے بڑی اہم چیز ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام میں تحمل و بردباری بہ نسبت خضر علیہ السلام کے کم تھی۔ قرآن نے اس واقعہ کو اس لیے نقل کیا ہے تا کہ داعی الی اللہ اس واقعے کی روشنی میں تحمل و بردباری سے آراستہ ہوں۔ جب ہم موصوف کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں تو موجودہ داعیان کی نسبت آپ میں یہ وصف بہت گہرا ہے۔ مولانا کا جملہ تصنیفی سرمایہ اس بات کا شاہد ہے کہ مولانا کے مزاج میں تحمل و بردباری کا عنصر سب سے نمایاں تھا۔

۳۔عمل

اسلام ایک دین ہے، یہ اپنے ماننے والوں کی تعلیم و تربیت کا بھرپور اہتمام کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ایمان و عملِ صالح ہر دو کو یکجا بیان کیا گیا ہے۔ ایمان کے بغیر عمل بیکار اور عمل کے بغیر ایمان بے فائدہ ہے۔ داعی الی اللہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ باعمل ہو۔ ہم عملِ صالح کے میدان میں انہیں یگانہ روزگار پاتے ہیں ان کی جملہ تصانیف کا ایک ایک حرف قاری پہ اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ ان کے عالمِ باعمل ہونے کی مثال ہے:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

۴۔خلوص

داعی الی الحق کی ایک اہم خوبی خلوص ہوتی ہے۔ داعی کا خلوص ہی اس کی تحریک سے جھلکتا ہے۔ تاریخ اسلام ایسے پُر خلوص داعیان سے پُر ہے۔ موصوف نے تاریخ دعوت و عزیمت مرتب

کر کے اپنے کردار سے یہ ثابت کیا کہ وہ اسلام کے ایسے ہی داعی ہیں جن کے سامنے مال و دولت یا شہرت کا حصول نہیں، بلکہ وہ اہل اسلام کو اُن کا ماضی یاد دلا کر اُن کا مستقبل سنوارنے کی فکر کر رہے ہیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اسلام کا ظہور عرب میں ہوا۔ بے آب و گیاہ صحرا ہی اسلام کا اولین مسکن ہے۔ عرب بادیہ نشین اس کے اولین حامل ہیں۔ ممدوح نے انہی کی زبان کو ذریعہ ابلاغ بنا کر انہیں یہ بھولا ہوا سبق یاد دلایا کہ اسلام کی دولت کے تم ہی وارث اور امین ہو۔ اسلام کے حامل ہونے کی بنا پر دنیا کی سیادت کے تم ہی حقدار ہو۔ اپنی کتاب نقوشِ اقبال کے ٹائٹل پہ لکھا شعر بھی ممدوح کے خلوص کا آئینہ دار ہے۔

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

۵۔ ایثار و قربانی

داعی الی اللہ کا کردار یگانہ ہوتا ہے۔ اس کے دل میں ملی درد بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے۔ ملت کا غم اس کا غم ہوتا ہے۔ ملت کا ہر زخم اس کا زخم ہوتا ہے۔ مولانا کے دل میں ہمدردی، ایثار اور قربانی کا جذبہ کس قدر موجود تھا۔ ذیل کا واقعہ اسے سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ مولانا کو اُن کی اعلیٰ خدمات کے نتیجے میں ۱۹۸۰ء میں حکومت سعودی عرب نے ''فیصل ایوارڈ'' کے لیے نامزد کیا۔ موصوف نے ایوارڈ کی رقم سماجی کاموں میں اس ترتیب سے خرچ کی:

مولوی فضل ربی کے خط کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ایوارڈ کی پوری رقم حسبِ تفصیل وہیں تقسیم کر دی گئی تھی:

۱۔ نصف رقم افغانستان کے پناہ گزینوں کے لیے۔
۲۔ ایک ربع مشروع تحفیظ القرآن کے لیے (جس کے بانی پاکستان حاجی یوسف سیٹھی صاحب تھے اور اب شیخ صالح القزاز اس کے صدر ہیں)۔
۳۔ ایک ربع مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے لیے (جس کے بانی حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب اظہار الحق تھے).....(۱۸)

۶۔ جدید معاشرتی مسائل کا ادراک اور اُن کا تدارک

داعی الی الحق معاشرتی امراض کا بہترین نباض ہوتا ہے۔ معاشرتی اقدار افراد کے کردار واخلاق کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ عمارت اُس وقت زمین بوس ہوتی ہے جب اُس کو دیمک چاٹ جاتی ہے۔ معاشرتی اقدار افراد اس وقت زمین بوس ہوتی ہیں جب وہاں اختلاط مرد وزن بڑھتا ہے۔ عورتوں میں بے پردگی عام ہوتی ہے تو تہذیبیں زوال پذیر ہوجاتی ہیں۔ مولانا اس ضمن میں رقمطراز ہیں: میں نے قوموں اور تہذیب وتمدن کی تاریخ .....(خاص طور سے قوموں اور تہذیبوں کے ارتقاء اور انحطاط کی تاریخ) کا مطالعہ بڑی توجہ اور انہماک سے کیا ہے اور میں اس نتیجے پہ پہنچا ہوں کہ قوموں اور ملتوں کے زوال، اُن کی تباہی و بربادی اور انتہائی ترقی یافتہ اور مسحور کن تمدنوں اور تہذیبوں کے زوال اور فنا کا سب سے اہم اور بنیادی سبب یہ ہے۔ اُن کے عائلی نظام کا انتشار۔ گھریلو زندگی میں اعتدال وتوازن کا فقدان۔ مرد وزن کے ارتباطِ باہمی میں فساد و اختلال، گھریلو زندگی سے بےتوجہی اور اُس کی ذمہ داریوں سے فرار (۱۹)۔

آج امتِ مسلمہ جن پریشان کن حالات سے دوچار ہے۔ غیرت وحمیت سے عاری ہے۔ عظمتِ رفتہ کے نقوش سے خالی ہے۔ اس کا مستقبل مخدوش ہے۔ عزت وآبرو اور ملی شان کا دور دور تک اس کا کوئی نشان نہیں۔ مولانا کے نزدیک اس مرض کی ایک وجہ عورتوں کا اپنے میدان کار سے تجاوز ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ عورت کو شمع محفل بنانے کی بجائے چراغ خانہ بنادیا جائے تو ملت پھر سے اپنے منصب پہ فائز ہوسکتی ہے۔ علامہ اقبال نے بے پردگی کے عواقب و انجام کو یوں نظم فرمایا:

ایک زندہ حقیقت میرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اُس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

علامہ اقبال اور مولانا ندوی دونوں کے افکار سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ملتِ اسلامیہ کی زبوں حالی کے اسباب میں ایک سبب عورت کا اپنی حدود سے تجاوز ہے۔

۷۔ وعظ و نصیحت

اسلام اپنے پیروکاروں سے ایک مطالبہ یہ بھی کرتا ہے کہ وہ معاشرے میں فساد اور بگاڑ کا قلع قمع کریں۔ ازروئے قرآن نبی علیہ السلام کا فرض منصبی تھا کہ وہ اُمت کو بُرے کاموں کے انجام سے ڈرائیں۔ یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَاَنْذِرْ (۱۲) (اے چادر اوڑھنے والے، کھڑے ہو جاؤ اور ڈراؤ)۔ اسی طرح امت پر بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض عائد کیا۔

تامرون بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۲۲) (تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو)۔ داعیانِ اسلام اس آیت کی تعمیل اور آپ کی پیروی میں اس فریضہ کو بھی ادا کرتے رہے۔ مولانا صاحب نے بھی یہ فریضہ سرانجام دیا۔ بلکہ آپ نے امراء و اعیان سلطنت کی موجودگی میں کلمہ حق بلند کیا۔

موصوف نے جون ۱۹۷۳ء میں افغانستان کا سفر کیا۔ اس سفر میں آپ نے کابل کے سب سے بڑے تعلیمی ادارے میں خطاب فرمایا۔ فرماتے ہیں ''میری تقریر خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کارناموں، ان کی غیرت ایمانی، مرتدین اور منحرفین سے دین کی حفاظت و حمایت اور اُن کے یادگار مقولہ'' اینقص الدین و انا حی '' (دین میں ترمیم و تنسیخ ہو اور میں زندہ ہو کر دیکھتا رہوں) کی تشریح و تفصیل اور اپنے اپنے ممالک اور علاقے میں علماء کی ذمہ داریوں کے متعلق تھی۔ اس سلسلے میں نے حضرت مجدد الف ثانی کے کارنامے کو جو ہندوستان کو اسلامی حصار میں رکھنے کے لیے انجام دیا گیا تفصیل سے بیان کیا (۲۳)۔

درج بالا اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف وعظ و نصیحت اور امراء و علماء کی اصلاح احوال کے لیے ہر دم کوشاں رہتے تھے۔ جب بھی کوئی موقع ملا، آپ نے اپنا فرض منصبی داعی ادا کیا اور کسی بھی مصلحت کو درخور اعتناء نہ سمجھا۔

۸۔تصنیف وتالیف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید اور حدیث شریف کی کتابت کا اذن عام فرمایا۔ صحابہ کرام جو وحی کی کتابت پر مامور تھے۔تاریخ میں انہیں کاتبین وحی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بعدازاں علمائے اسلام اور داعیانِ الی اللہ نے اپنے اپنے علمی ذوق کو تحریر میں مقید کیا۔اسی کی پیروی میں مولانا نے بھی تصنیف وتالیف کی پُر خاروادی میں قدم رکھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تصنیف وتالیف کے اُفق پر خورشید بن کے چمکے۔آپ کی بہت سی تصانیف عربی زبان میں ہیں۔ان کے معتقدین علماء نے ان کی کتب کو دوسری زبانوں میں ترجمہ کیا۔موصوف کی زیورِطبع سے آراستہ تصانیف کی تعداد ایک سو اسی ہے (۲۴)۔آپ نے اپنے قلم سے تبلیغ اسلام، دعوت الی اللہ، تربیت، وعظ ونصیحت اور دفاع اسلام جیسے فرائض سرانجام دیئے۔آپ کی جملہ تصانیف، آپ کے گہرے اور وسیع مطالعے کا پرتو ہیں۔ ان تصانیف کے مطالعے سے قاری میں اسلام سے محبت اور شغف پیدا ہوتا ہے۔ جو دفاع اسلام کے جذبے کا محرک ہے.

۹۔ جہاد فی سبیل اللہ کا احیاء

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے ارکان کی تعداد پانچ بیان فرمائی تھی اور جہاد کو اسلام کی کوہان قرار دیا۔آپ کی پوری زندگی جہاد سے عبارت ہے۔آپؐ کے بعد اعیانِ اسلام نے بھی اسوۂ رسول کے پیش نظر رکھتے ہوئے جہاد اور مجاہدین کو تقویت وقوت فراہم کی۔مولانا ندوی بھی ایک داعی تھے۔آپ نے تاریخ دعوت وعزیمت جلد نمبر ۶ میں تحریک المجاہدین کا تذکرہ اس انداز سے کیا ہے کہ قاری میدان جہاد کو اپنانا چاہتا ہے۔تحریک المجاہدین کے واقعات اس پیرائے میں نقل کیے ہیں کہ زبان کی سلاست وروانی اپنی جگہ پر موجود ہے۔ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے آپ عالم اسلام میں جہاد کی روح پیدا کرنا چاہتے ہیں۔مولانا نے سید احمد شہید کا ایک قول نقل کیا ہے۔ جو قاری کو تہذیب وتمدن سے دور میدان جہاد کی رغبت دلانے کے لیے کافی ہے۔لکھتے ہیں:

''میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تمام جہاں سے جو عمدہ چیز ہو اُس کو اپنے پروردگار کے نذر کر کے اُس کی رضامندی حاصل کرلوں اور اپنی جان کو اس کی راہ میں نثار کر کے تو میں ایسا سمجھتا ہوں جیسے

کوئی ایک تنکا توڑ کر پھینک دیتا ہے (۲۵)۔

۱۰۔کورانہ تقلید سے بیزاری

اسلام ایک الہامی مذہب ہے۔اس میں اطاعت واتباع تو موجود ہے۔اسلام تقلید جامد کی نفی کرتا ہے۔ برصغیر میں تقلیدی جمود پایا جاتا ہے۔وہ بھی موجودہ زوال کا ایک سبب ہے۔مولانا اس مقلدانہ ماحول سے بیزار تھے اور اس تقلیدی روش کو ختم کرنا چاہتے تھے۔وہ اس ضمن میں شاہ ولی اللہ کے فکر کے داعی نظر آتے ہیں۔شاہ صاحب کی تحریک کو اجتہاد وتقلید کے درمیان نقطۂ اعتدال میں قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا طرز عمل کے تحت لکھتے ہیں:

''معلوم ہونا چاہئے کہ چوتھی صدی سے قبل کے لوگ کسی ایک معین مذہب (فقہی) کی پابندی اور اس کی مکمل تقلید پر اجماع کیے ہوئے نہیں تھے'' (۲۶)۔

اس نقطہ کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں''میں اس میں اضافہ کر کے کہتا ہوں کہ کس قدر یہ بات مسلّم ہے کہ چوتھی صدی کے لوگ ایک ہی مذہب کے دائرہ میں رہ کر تقلید خالص کے پابند اور اُس کے مطابق مسائل میں تفقہ اور اُسی مذہب کے تحقیقات و اجتہاد نقد وروایت کے عادی نہیں تھے۔جیسا کہ تتبع سے معلوم ہوتا ہے (۲۷)۔

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام اجتہاد کا دین ہے،اس کے ابتدائی دور میں تقلید مفقود تھی۔ بعد ازاں ہر مخلص داعی اسلام نے تقلید کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش کی کیونکہ داعیان الی اللہ بالعموم اور مولانا تقلید کو عالم اسلام کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔

۱۱۔سامعین کی ذہنی استعداد کے مطابق گفتگو

داعی الی اللہ کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ سامع کی ذہنی استعداد کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔اربابِ علم ودانش کی محفل ہوتو وہ علمی نکات بیان کرتا ہے۔عوام کی مجلس ہوتو وہ وعظ ونصیحت سے اُن کے احوال کی اصلاحی کوشش کرتا ہے۔مولانا میں بھی یہ صفت بدرجہ احسن موجود تھی۔آپ نے افغانستان میں ایک دارالعلوم میں معاشرتی مسائل بالخصوص اختلاط مرد وزن پر سیر حاصل گفتگو کی،لیکن بعد ازاں جب علمائے کابل سے گفتگو کا موقع ملا تو آپ کا موضوع سخن یہ تھا ''اسلام کی

دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں علماء کی ذمہ داریاں'' (۲۸)۔ اور بطورِ خاص آپ نے حضرت علیؓ کی وصیت کا ذکر کیا'' **کلموالناس علی قدر عقولھم اتریدون ان یکذب اللہ ورسولہ** ''(۲۹) (لوگوں سے ان کی عقل وفہم کے مطابق گفتگو کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول جھٹلادیئے جائیں)۔

۱۲۔ جدید علمی رجحانات کا ادراک

ماہر نباض کی انگلیاں مریض کے مرض کی ماہیت بتلاتی ہیں۔ اسی طرح داعی الی اللہ معاشرتی امراض کی تشخیص کرتا ہے۔ جدید مسائل جن کا تعلق نفسیات، معاشیات، معاشرت، اسلوبِ بیان سے ہے اور جدید علوم جن کا فہم وادراک ہی امت مسلمہ کو ترقی کی راہ پہ گامزن کرسکتا ہے اور جدید مسائل جو کہ دور جدید کی ہی پیداوار ہیں۔ ان کا حل بھی جدید علم ہی کی تحصیل میں پوشیدہ ہے۔ ممدوح اس نقطہ کی وضاحت یوں کرتے ہیں: ''نوجوانوں میں کام کرنے کے لیے جدید اسلوب، جدید زبان، نوجوانوں کی نفسیات کے گہرے مطالعہ اور ان کو درپیش مسائل ومشکلات کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے'' (۳۰)۔ مزید لکھتے ہیں: ''کہ بعض ایسے ممالک ہیں جہاں علماء نے نوجوانوں پہ توجہ دینے اور ان کا اعتماد حاصل کرنے میں پہلوتہی کی اور ان کو متاثر کرنے میں ناکام رہے اور ان کو بے مہار چھوڑ دیا'' (۳۱)۔ موصوف کے نزدیک نوجوان نسل کی تربیت ان کے مسائل کو سمجھتے ہوئے کرنی چاہیے۔ گویا جدید رجحانات اور ان میں تفقہ حاصل کرکے ہی جدید مسائل سے نمٹا جاسکتا ہے۔

۱۳۔ تعلیم وتربیت

قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ بیان فرمایا ہے: **یُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیھِمْ** (۳۲) (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے کر انہیں پاک کرتا ہے)۔ کتاب وحکمت کی تعلیم دینا اور لوگوں کو مادی اور روحانی آلائشوں سے پاک کرنا تعلیم وتربیت کہلاتا ہے۔ تعلیم وتربیت انسانی معاشرے کا اہم جزو ہے۔ علمائے اسلام بحیثیت داعی الی اللہ تعلیم وتربیت کے لیے ادارے قائم کیے۔ مولانا علی میاں بھی ایک داعی تھے۔

انہوں نے اسلاف کے طرزِ علم کو اپنایا۔ آپؐ کے اسوہ کی پیروی ہی ان کا مطمع نظر تھا۔ آپ نے بیس سال کی عمر میں تعلیم سے فراغت کے بعد تادم واپسی تعلیم و تربیت کے فریضے کو نبھایا۔ ساری زندگی آپ نے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہی گزار دی۔ علاوہ ازیں آپ کی تمام تصانیف اور تقاریر میں بھی تعلیم و تربیت کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس معاملے میں آپؐ نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

۱۴۔ دعوتی سفر

ابتدائے اسلام سے اہل اسلام میں یہ سلسلہ متداول چلا آرہا ہے کہ اصول علم اور تعلیم و تربیت کے لیے اساتذہ اور طلباء سفر کرتے ہیں۔ صحابہ کی ایک مقدس جماعت اصحاب صفہ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اطراف سے مدینہ آتے۔ وہاں قیام کرتے۔ دین کا علم حاصل کرتے اور اپنے اپنے علاقوں میں لوٹ کر اسلام کی تعلیم و اشاعت کا کام کرتے۔ مولانا نے بھی علامہ اقبال اور علمائے کبار سے، تحصیل علم اور تبلیغ دین کے لیے سفر کیے۔ نیز ان کا ایک مقصد جو انہیں اس ضمن میں جملہ داعیان اسلام سے ممتاز ٹھہراتا ہے وہ موجودہ حالات سے آگاہی تھا۔ موصوف نے ۴ جون ۱۹۷۳ء تا ۲۰ اگست ۱۹۷۳ء علماء کے ایک وفد کے قیادت کی، جس نے چھ ممالک افغانستان، ایران، لبنان، شام، عراق اور اردن کا سفر کیا (۳۳)۔

۱۵۔ مغربی نظام تعلیم پر تنقید

مبلغ اور داعی کا ایک اہم وصف یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ معاصر نظام ہائے تعلیم کی خوبیوں اور خامیوں کو سمجھتا ہے۔ عام طور پر جدید دور میں مغربی نظامِ تعلیم کو دنیا کا ایک کامیاب نظام سمجھا جاتا ہے۔ مولانا نے اس نظام کی خامیوں پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اس نظام تعلیم کی خامیوں کے بیان میں علامہ اقبال بھی مولانا کے ہم نوا ہیں۔ مولانا علامہ اقبال کے متعلق لکھتے ہیں ''ان کے خیال میں اس نظام دانش نے نئی نسل کے حق میں سب سے بڑا جرم کیا ہے وہ مدرسۂ خانقاہ دونوں سے بے زار نظر آتے ہیں۔ جہاں نہ زندگی کا چہل پہل ہے، نہ محبت کا جوش و خروش، نہ حکمت و بصیرت ہے، نہ فکر و نظر'' (۳۴) بقول اقبال:

اٹھا میں مدرسہ خانقاہ سے غم ناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

مولانا مزید لکھتے ہیں ''اقبال کی یہ سنجیدہ رائے ہے کہ تعلیم جدید نے نئی نسل کو صرف عقلی اور ظاہری تربیت سے اعتناء اور قلب وروح کی نشوونما، روحانی ارتقاء، اخلاق کی پاکیزگی اور تزکیہ نفس سے غفلت کر کے اُس پر سب سے بڑا ظلم کیا ہے۔ جس کے سبب اُس کے قوی غیر متوازن اور اُس اٹھان غیر متناسب ہوتی ہے اور اُس کی زندگی ہم آہنگی کی بجائے بے اعتدالیوں کا نمونہ بن گئی ہے۔ نئی نسل کے ظاہر و باطن، عقل وروح، علم وعقیدہ کے درمیان ایک وسیع خلیج پیدا ہوگئی ہے (۳۵)۔

نئی نسل میں اتنے ہی عیوب ونقائص نظر آتے ہیں۔ مولانا کے نزدیک مغربی نظام تعلیم ہی ہے۔ اگر نئی نسل کو ان نقائص سے پاک کرنا ہے تو اس جدید مغربی نظامِ تعلیم کو چھوڑنا ہوگا۔

۱۶۔ مغربی تہذیب پر تنقید

مولانا نے مغربی تہذیب کو بالخصوص اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس تہذیب میں اسلامی ممالک میں جو مسائل پیدا کیے اور جس طرح انہیں اپنے عقیدے اور ایمان سے دور کیا اور ان کا استحصال کیا۔ ان کے مطالعے کا نچوڑ یہ ہے ''مغربی تہذیب ممالک اسلامیہ کو ہرگز نجات نہیں دے سکتی۔ نہ اُن کے مسائل حل کر سکتی ہے۔ نہ ان میں زندگی کی نئی روح پھونک سکتی ہے (۳۶)۔

علامہ اقبال بھی مغربی تہذیب پر تنقید میں مولانا کے ہمنوا ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لب گور
فرنگیوں کو عطا خاک سوریا نے کیا
نبی عفت وغم خواری و کم آزاری
صلہ فرنگ سے آیا سور یا کے لیے
مے وقمار وہجوم زنان بازاری (۳۷)

۱۷۔ وسیع مطالعہ

داعی الی اللہ وسیع مطالعہ کا حامل ہوتا ہے۔ مولانا بھی وسیع مطالعہ کے حامل تھے۔ اُن کی تصانیف کا معیار اور مقدار نیز تعداد اس بات کی شاہد ہے کہ آپ وسیع مطالعہ کے حامل تھے۔ عالم

اسلام، امت کے مسائل غرض آپ نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا۔ بھر پور لکھا لیکن یہ نہیں ہے کہ کسی کتاب کا اقتباس دوسری کتاب میں آیا ہو۔ ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' سے آپ کی تاریخ عالم پر نظر کا پتہ چلتا ہے ''تاریخ دعوت وعزیمت'' سے آپ کے دقیق مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔ نبی رحمت پر آپ کے سیرت النبی پر گہری نظر کا پتہ چلتا ہے۔

۱۸۔ معاصر ادیان میں وسعت نظر

داعی الی اللہ کو نہ صرف اسلام کے اصول ومبادی میں گہری دسترس حاصل ہونی چاہیے، بلکہ اسے معاصر ادیان میں بھی گہرا ادراک ہونا چاہیے۔ مولانا معاصر ادیان میں بھی یدطولیٰ رکھتے تھے۔ ان کی کتاب ارکان عربیہ اس ذوق کی نشاندہی کرتی ہے۔

۱۹۔ بصیرت

داعی الی اللہ دین کی دعوت کسی ذاتی منفعت کی بنا پر نہیں دیتا اور نہ وہ اپنی عقل وخرد کی بنیاد پر لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے، بلکہ اللہ داعی الی اللہ کی فطرت میں ایک روشنی پیدا کر دیتا ہے۔ یہی وہ بصیرت ہے جو آپ میں بدرجہ اتم موجود تھی اور داعیانِ الی اللہ میں بھی درجہ بدرجہ موجود ہے: ''قل هَذِهِ سَبِيلِيْ اَدْعُواْ اِلَى اللَّه عَلَى بَصِيْرَةٌ اَنَاوَمَنِ اتَّبَعَنِيْ''(اے نبی فرمادیجئے یہ میرا راستہ ہے میں لوگوں کو اللہ کی طرف اپنی بصیرت کے بل پر بلاتا ہوں اور میرے پیروکار بھی اسی بصیرت کے بل بوتے پر تمہیں دعوت دیتے ہیں) (۳۸)۔

اللہ تعالیٰ نے علی میاں میں بصیرت ایمان وافر مقدار میں پیدا کی۔ آپ نے اسی بصیرت کے بل بوتے پہ بڑے دقیق اور نازک مسائل پر قلم اٹھایا اور اُن کو اس انداز سے بیان فرمایا کہ ایک ایک لفظ قاری کے ذہن نشین ہوتا چلا جاتا ہے۔

۲۰۔ رد بدعات

داعی الی اللہ کا سب سے اہم فریضہ بدعات اور رسومات قبیحہ کا رد ہوتا ہے۔ ساتھ ساتھ وہ احیائے سنت کا اجراء بھی کرتا ہے۔ مولانا نے برصغیر میں پیدا ہونے والی بدعات اُن کے اسباب پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ ان کے خاتمے کے لیے اپنی قلم کو تلوار بنایا ہے۔ مروجہ تصوف اور خانقاہی

نظام کی خامیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''تصوف ایک فلسفہ بن گیا جس میں یونانی فلسفہ الہیات کی بہت سی اصطلاحیں اور مسائل شامل ہو گئے۔ وہ وحدت الوجود، اہل تصوف کا شعار اور سرمایہ افتخار بن گیا اور خانقاہوں سے مدرسوں تک اس کا دم بھرا جانے لگا۔ کتاب وسنت سے عدم اشتغال اور فن حدیث سے ناواقفیت اور اس کی صحیح اور مستند کتابوں سے محرومی کی بنا پر یہ خانقاہیں ایسے عقائد واعمال کی آماجگاہ بن گئیں جن کی سند دین کے ماخذوں سے ملنا مشکل اور جن سے قرونِ اولیٰ کے مسلمان یکسر نا آشنا تھے (۳۹)۔

اسی طرح صوفیاے کرام اور عوام میں مروجہ بدعات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مروجہ بدعات جن کا تذکرہ جواہر خمسہ از شیخ محمد غوث گوالیاری میں ہے۔ لکھتے ہیں ''اس میں نمازِ احزاب، صلوٰۃ العاشقین، نماز تنویر الکبراء اور مختلف مہینوں کی نمازیں اور دعائیں ہیں جن کا حدیث و سنت سے کوئی ثبوت نہیں ہے (۴۰)۔

مولانا نے ان مروجہ بدعات کو طشت از بام کیا اور ان بدعات کے خاتمے کے لیے حدیث وسنت کا نظام قائم کرنا ضروری خیال کیا۔ مولانا بحوالہ علامہ محمد طاہر پٹنی لکھتے ہیں ''یہ ملک (گجرات) جہاں علماے عرب کی تشریف آوری اور حرمین شریفین کی آمد ورفت کی وجہ سے حدیث کی اشاعت ہوئی تھی۔ یہ ملک (بقیہ ہندوستان) صحاح ستہ اور ان مصنفین کی کتابوں سے نا آشنا تھا، جنہوں نے نقد حدیث اور رد بدعات کا کام کیا اور سنت صحیحہ اور احادیث ثابتہ کی روشنی میں زندگی کا نظام العمل پیش کیا (۴۱)۔

مذکورہ بالا اقتباس سے واضح ہوا کہ مولانا بدعات اور رسومات بد کی بیخ کنی کے لیے احادیث اور سنت مطہرہ ضروری تصور کرتے تھے۔ علاوہ ازیں ایسی دعائیں اور نمازیں جن کا کوئی ثبوت موجود نہیں تھا۔ ان کی نشان دہی بھی فرمائی تا کہ امت بدعات سے محفوظ رہ سکیں۔

۲۰۔ نقوش اقبال،ص۲۹۰۔

۲۱۔ المدثر،۱۔۲۔

۲۲۔ البقرہ:۱۲۹۔

۲۳۔ دریائے کابل سے دریائے یرموک تک،ص ۲۸۔

۲۴۔ ابوالحسن علی ندوی، ۲۲۷۔ ۲۴۸ ملخص۔

۲۵۔ ابوالحسن علی ندوی تاریخ دعوت وعزیمت (مجلس نشریات اسلام کراچی)۔

۲۶۔ تاریخ دعوت وعزیمت ، ۵/۲۰۵ (شاہ ولی اللہ ، حجۃ اللہ البالغہ، ۱/۱۵۲، ان الناس کا نواقبل المائة الرابعة غير مجمعين على التقليد الخالص لمذهب واحد (المكتبہ السلفیہ لاہور)۔

۲۷۔ حوالہ سابق،۶/۲۰۶۔

۲۸۔ دریائے کابل سے دریائے یرموک تک،ص ۳۵۔

۲۹۔ حوالہ سابق،ص۳۷۔

۳۰۔ حوالہ سابق،ص۳۷۔

۳۱۔ حوالہ سابق،ص۳۶۔

۲۳۔ آل عمران۔

۳۳۔ دریائے کابل سے دریائے یرموک تک۔

۳۴۔ نقوشِ اقبال،ص ۸۵۔

۳۵۔ ایضا،ص۸۶۔

۳۶۔ ایضا،ص ۷۹۔

۳۷۔ علامہ اقبال،دیوان اقبال (اردو)۔

۳۸۔ یوسف:۱۰۸۔

۳۹۔ تاریخ دعوت وعزیمت،۶/۲۴۴۔

۴۰۔ ایضاً،ص۲۴۹۔

۴۱۔ ایضاً،ص۲۴۴۔

حوالہ جات

۱۔ المائدہ: ۲۷۔

۲۔ المائدہ: ۱۰۷۔

۳۔ الاحزاب: ۱۲۔

۴۔ آل عمران: ۱۰۴۔

۵۔ القصص: ۸۷۔

۶۔ السجدۃ: ۲۴۔

۷۔ الانفال: ۲۴۔

۸۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الحج باب حجۃ النبیؐ، نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۹۵۶ء، (ط ۱۱) ج ۶/ ۱۹۷۔۳۹۶۔

۹۔ حوالہ سابق۔

۱۰۔ عبدالماجد غوری، ابوالحسن علی ندوی (ط ۱۱) ۱۹۹۹ء، دارابن کثیر دمشق، ص ۲۶۔

۱۱۔ حوالہ سابق، ص ۳۰۔

۱۲۔ ابوالحسن علی ندوی، نقوش اقبال، مقدمہ از رشید احمد صدیقی (ط ۱۱) ۱۹۷۳ء، ص ۱۳۔

۱۳۔ ابوالحسن علی ندوی، ص ۴۲۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۴۳۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۴۰۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۳۸۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۴۳۔۴۴۔

۱۸۔ فضل ربی ندوی مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے خطوط بنام فضل ربی ندوی، مجلس نشریات اسلام، ۲۰۰۱، ص ۳۷۔

۱۹۔ ابوالحسن علی ندوی، دریائے کابل سے دریائے یرموک تک، مجلس نشریات اسلام کراچی (ط ۱۱) ۱۹۷۶ء، ص ۳۲۔۳۳۔

دین کی تخم ریزی کے لیے اس کشت ویران میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیے، حجت تمام کر دیجئے، دن ورات ایک کر دیجئے، دل کو جلایئے اور بدن کو گھلایئے، دیدہ وخون جگر بہایئے اور اس طرح بہایئے کہ دجلہ وفرات اپنی تنگ ظرفی اور کم مائگی پر ماتم کریں، ایک ایک کا گریبان کا تھام کر کہیے کہ اے صحرائے عرب کے بھٹکے ہوئے آہو! عالم کی آبرو اے ابراہیم ومحمد ﷺ کی آرزو! تو کہاں گم ہے؟ کیا سیدنا عمرؓ کی دعائے نیم شبی اور آہ سحر گاہی، مثنی بن حارثہ کے خون شہادت، ابوعبید الثقفیؒ کی پامالی اور استخوان شکنی، سعد بن ابی وقاص کی علم برداری، علی بن ابی طالب کی جگر سوزی، اشک ریزی اور خطابت وتاثیر کی طوفان خیزی، آبروئے شہیداں جگر گوشہ رسول ﷺ کی تشنگی اور خاندان رسالت کے خون کی ارزانی، ابوحنیفہؒ کی دماغ سوزی، احمد بن حنبلؒ کی تعذیر جرم عشق، ابن جوزیؒ کی حمایت سنت، عبدالقادر جیلانیؒ کی دردمندی کا حاصل صرف یہ ہے کہ تو ائمہ ضلالت کا ادنی حاشیہ بردار اور اس کی راہ کا غبار ہے، عراق کے اس مقبرہ میں صور پھونک دیجئے اور شور قیامت بپا کیجئے کہ

گرفتہ چینیاں (در) احرام ومکی خفتہ در بطحا

(مولانا ابوالحسن علی ندوی کا مولانا مسعود عالم ندویؒ کے نام، ۶/شوال ۱۳۶۸ھ/۳/اگست ۱۹۴۹ء کا لکھا ہوا خط)